رسائل و مسائل

پراویڈنٹ فنڈ اور سود

ملازمین کی تنخواہوں سے جو پراویڈنٹ فنڈ منہا کیا جاتا ہے اس پر حکومت یا کوئی آجر جو 'منافع' دیتا ہے' اسے سود تصور کر کے بہت سے لوگ نہیں لیتے۔ کچھ علما کا یہ موقف میرے علم میں آیا ہے کہ اس اضافی رقم کی نوعیت سود کی نہیں ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ نیز اس فنڈ سے جو قرض سود پر لیا جاتا ہے' اس کا کیا حکم ہو گا؟

ملازمین کے جبری پراویڈنٹ فنڈ پر حکومت یا کوئی دوسرا آجر اپنی طرف سے جو اضافی رقم سود کے نام سے دیتا ہے وہ سود نہیں ہے۔ "سود (ربا) قرض پر اضافے کو کہتے ہیں جبکہ بطور شرط کے لیا جائے۔ مگر ملازم کی اجرت سے کاٹی گئی پراویڈنٹ فنڈ کی رقم اس کی ملکیت اور قبضے میں ہی نہیں آتی تو قرض دینے اور اس پر زائد رقم لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ ملازم کے اکاؤنٹ میں یہ رقم لکھی جاتی ہے لیکن یہ ملکیت اور قبضہ نہیں ہے' کیونکہ اسے تصرف کا اختیار نہیں ہوتا۔ ملکی قانون کی رو سے بھی یہ ملازم کی ملکیت نہیں ہے' اسی لیے تو اس پر ٹیکس نہیں لگتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اضافی رقم کی حیثیت کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ تنخواہ سے کاٹی گئی رقم تو ملازم کی تنخواہ کا ایک حصہ ہی ہے۔ باقی رہی اضافی رقم' تو اس کی دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ اسے آجر کی طرف سے ملازم کی مالی اعانت تصور کیا جائے' جو ریٹائر ہونے کے وقت کی جاتی ہے۔ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ تبرع اور احسان کا وعدہ پورا کرنا اخلاقاً تو ضروری ہے مگر اسے عدالت کے ذریعے جبراً پورا نہیں کروایا جا سکتا' مگر اس اضافی رقم کو ملازم عدالت کے ذریعے قانوناً بھی وصول کر سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ آجر یا حکومت جب کسی رعایت کا اعلان کر کے اس کے قواعد و ضوابط بنا لے تو یہ حق بن جاتا ہے جسے عدالت کے ذریعے قانوناً وصول کیا جا سکتا ہے۔

دوسری حیثیت اس زائد رقم کی یہ سمجھی جا سکتی ہے کہ یہ بھی تنخواہ کا حصہ ہے۔ اس لیے کہ جب

تقرری کے وقت یہ طے ہو جاتا ہے ' یا ملکی قانون میں معروف و مشہور ہوتا ہے ' کہ اتنی رقم اصل تنخواہ سے کاٹی جائے گی اور مخصوص تناسب سے کچھ رقم حکومت اپنی طرف سے جمع کرے گی ' فریقین کو اس کا علم بھی ہے ' اور وہ اس پر راضی بھی ہیں ' تو یہ زائد رقم بھی ملازم کی اجرت میں شامل ہوگئی ہے ۔ البتہ اس کی ادائگی ریٹائر ہونے کے وقت کی جائے گی ۔ جیسے ملازمین کو اصل تنخواہ کے علاوہ کچھ دوسری مراعات حاصل ہوتی ہیں جن کو اجرت کا نام نہیں دیا جاتا لیکن حقیقت میں وہ شرائط ملازمت کے اعتبار سے اجیر کی اجرت اور معاوضہ میں شامل ہیں ۔

بادی النظر میں تو اس اضافی رقم کی حیثیت اعانت کی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ دوسری حیثیت بھی بن سکتی ہے ۔ بہرحال اس کی حیثیت جو بھی ہو ' ربا یہ نہیں ہے ' اس لیے کہ نہ کسی نے قرض دیا ہے اور نہ کسی نے لیا ہے کہ اس پر زائد رقم کے لین دین کو سود کہا جاسکے ۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی کفایت اللہ نے بھی پراویڈنٹ فنڈ پر دی جانے والی زائد رقم کو جائز قرار دیا ہے (امداد الفتاوی ' ج ۳ ' ص ۱۴۹ ۔ کفایت المفتی ' ج ۸ ' ص ۹۲)

ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آجر اس فنڈ کو سودی کاروبار میں لگاتا ہے لیکن اس لحاظ سے تو تمام اشیا میں بالواسطہ سود موجود ہے جس میں پوری قوم گرفتار ہے ۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد تیز ترکی جائے تاکہ ہم اس معصیت سے نجات پاسکیں ۔

البتہ ملازم نے اپنی مرضی سے اپنا پراویڈنٹ فنڈ بیمہ کمپنی یا کسی ایسے ادارے کو منتقل کرا دیا ہو جو اس پر سودی کاروبار کرتا ہو تو اس صورت میں اضافی رقم سود ہوگی ۔ اس لیے کہ ملازم نے گویا قبضہ لینے کے بعد اپنا مملوک مال سودی کاروبار کے لیے دیا ہے ' جو جائز نہیں ہے ۔

باقی رہا مسئلہ اختیاری پراویڈنٹ فنڈ کا جو ملازم نے اپنی مرضی سے بچت کر کے کٹوایا ہو ' تو اس پر بھی اضافی رقم لینا عین ربا معلوم نہیں ہوتا ' اس لیے کہ کٹوانا حقیقی قبضہ نہیں ہے ' لیکن حکماً قبضہ ہے اس لیے کہ اگر نہ کٹواتا تو وصول کر سکتا تھا اس لیے اختیاری پراویڈنٹ فنڈ پر اضافہ لینا شبہ ربا ہے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے ۔

(۲) ملازم اپنے پراویڈنٹ فنڈ کے اکاؤنٹ سے جو رقم قرض کے نام پر لیتا ہے ' اور اس کے ساتھ قواعد کے مطابق سود کے نام پر مزید رقم ملا کر واپس اپنے فنڈ میں جمع کرواتا ہے ' تو بادی النظر میں یہ بھی سودی لین دین نہیں ہے ۔ اس لیے کہ جو اضافی رقم وہ سود کے نام سے دیتا ہے وہ آجر کے اکاؤنٹ میں جمع نہیں ہوتی بلکہ ملازم کے اپنے اکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے ' اسی طرح آجر جو رقم قرض کے نام پر اس ملازم کو دیتا ہے وہ شرعی لحاظ سے قرض نہیں ہے بلکہ ملازم کی اپنی تنخواہ سے کاٹی ہوئی

رقم کا ایک حصہ ہے جو قواعد و ضوابط کے مطابق اسے اس شرط کے ساتھ دیا گیا ہے کہ وہ اتنی رقم مزید ملا کر لی گئی رقم کو واپس اپنے پراویڈنٹ فنڈ اکاؤنٹ میں جمع کرے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے کچھ رقم بچا کر اپنے پاس رکھی ہے تاکہ ضرورت کے وقت اسے استعمال کر سکے' لیکن شدید ضرورت کے وقت وہ اس رقم سے کچھ لے کر خرچ کر لیتا ہے' مگر بعد میں اس رقم کے ساتھ کچھ اور ملا کر دوبارہ جمع کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تو نہ قرض ہے اور نہ سود ہے۔

ظاہر ہے کہ اپنا حق یا اس کا کچھ حصہ وصول کر کے دوبارہ آجر کو مزید ملا کر دینا سودی قرض کا لین دین نہیں ہے' بلکہ آجر اور اجیر کے درمیان ایک طے شدہ معاملہ ہے۔ یہ نہ جوا ہے' نہ سود ہے' اور نہ کوئی اور غیر شرعی معاملہ ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ ملکی قانون میں اس کو قرض کہا جاتا ہے' اور اس پر زائد رقم کو سود' تو یہ وضعی اصطلاحات ہیں جن سے احکام تبدیل نہیں ہو سکتے۔ (گوہر رحمن)

حصص کی خرید و فروخت

حصص کا کاروبار دو طریقے سے ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ان کی خرید و فروخت کلیرنگ کے ذریعے ہوتی ہے جس کا اعلان اسٹاک مارکیٹ کرتی ہے۔ اس دن ادائیگی کر کے حصص کی ڈلیوری ملتی ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کچھ حصص کا سودا کیا گیا اور کلیرنگ سے پہلے قیمت میں اضافہ ہو گیا۔ اب یہ حصص بیچ کر جو فرق ہوا' بغیر کچھ ادائیگی کیے یا شیئرز کی ڈلیوری کیے' منافع کی صورت میں حاصل کر لیا۔ یہی صورت حال حصص کی فروخت کی ہے۔ آج ہم نے کچھ فروخت کیے اور بغیر کلیرنگ مالیت کم ہو گئی تو انھیں دوبارہ خرید لیا گیا۔ جو فرق ہوا وہ منافع کی صورت میں مل گیا۔ آپ یہ بتایے کہ کیا بغیر ادائیگی اور بغیر ڈلیوری' حصص کا لین دین اور جو فرق ہے اس کا لینا دینا جائز ہے؟ واضح رہے کہ اگر حصص خریدنے کے بعد ان کی قیمت کم ہو گئی تو ہم کو کلیرنگ پر ادائیگی کر کے حصص لینا پڑیں گے اور ان کی قیمت بڑھنے کا انتظار کرنا ہو گا۔ یہ بھی واضح رہے کہ بغیر کلیرنگ حصص کے کاروبار کا جو طریقہ ہے اس میں نفع اور نقصان دونوں ہوتے ہیں۔

لیمٹڈ کمپنی کے حصص (شیئرز) میں سرمایہ کاری اور نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر خریدنا جائز ہے۔ ہر شیئر ہولڈر اپنے حصے کے تناسب سے کمپنی کے نقد سرمائے اور اثاثوں کا مالک بن جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ کمپنی کا اصل کاروبار شرعاً حلال ہو۔ اس لیے کہ حرام کاروبار کرنا' مثلاً شراب کا کارخانہ لگانا' سود اور جوئے پر مشتمل کمپنی قائم کرنا' شخصی طور پر بھی جائز نہیں ہے' اور ان میں شریک ہونا بھی جائز

نہیں ہے۔

اگر شیئرز خریدنے والے کا مقصد کمپنی کا حصہ دار بن کر سرمایہ کاری کرنا نہ ہو' بلکہ یہ ہو کہ جب شیئرز کی قیمت بڑھ جائے گی تو فروخت کر کے نفع کماؤں گا تو اصولی طور پر یہ کاروبار بھی جائز ہے کہ شیئرز کی خرید و فروخت دراصل کمپنی کے اموال اور اثاثوں میں متناسب حصوں کی خرید و فروخت ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ بیع و شراء یعنی بیچنے اور خریدنے کی شرعی شرائط کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ مثلاً اگر ملکیت اور قبضے میں آنے سے قبل ہی بیچ دیا ہو' یا ایسا معاملہ ہو جو قمار یعنی جوئے کی شکل اختیار کر لیتا ہے' یا کوئی اور ایسی شکل بن رہی ہو جو شرعی احکام پر پوری نہ اترتی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دوسری چیزوں کی خرید و فروخت بھی ممنوع ہے اور شیئرز کی خرید و فروخت بھی ممنوع ہے۔ لیکن اگر شرعی قواعد و ضوابط کی صحیح معنوں میں پابندی کی گئی ہو تو بازار حصص میں حصص کی خرید و فروخت کا کاروبار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

شیئرز کی خرید و فروخت کا ایک طریقہ وہ ہے جو دراصل سٹہ بازی اور جوا کھیلنا ہے۔ یہی طریقہ آج کل غالباً اسٹاک ایکسچینج میں زیادہ مروج ہے۔ اس میں فریقین کا اصل مقصد لین دین اور خرید و فروخت نہیں ہوتا' بلکہ فرق برابر کر کے نفع یا نقصان کا جوا کھیلنا ہوتا ہے۔ مثلاً' یکم جنوری کو ایک شخص نے ۱۰ روپے فی شیئر کا سودا کیا مگر شیئر پر قبضہ دینے کی تاریخ یکم مارچ مقرر کر لی۔ جب یکم مارچ کی تاریخ آئی تو شیئر کی قیمت بڑھ کر ۱۲ روپے ہوگئی تو اس صورت میں فروخت کرنے والا خریدنے والے کو شیئرز دینے کے بجائے دو روپے فی شیئر ادا کر دیتا ہے یا اس تاریخ کو شیئر کی قیمت کم ہو کر آٹھ روپے ہوگئی تو اس صورت میں خریدار فروخت کرنے والے کو دو روپے فی شیئر دے دیتا ہے اور شیئر وصول نہیں کرتا۔ کاروبار کی یہ صورت سٹہ بازی ہے اور حرام ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تاریخ مقررہ تک بہت سے سودے ہو جاتے ہیں اور آخر میں سب شیئرز کے لین دین کے بجائے آپس میں قیمتوں کا فرق برابر کر لیتے ہیں۔ آپ کے سوال کو جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں تو وہ اسی صورت کے بارے میں ہے۔

شیئرز کے کاروبار کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ فریقین کا مقصد صرف برابر کرنا اور سٹہ بازی کرنا نہ ہو بلکہ حقیقی معنوں میں شیئرز کی خرید و فروخت ہو' لیکن انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے خریدار کا شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ دو تین ہفتوں تک موخر ہو جاتا ہے۔ تو کیا بیع و شراء ہو جانے کے بعد' مگر شیئرز وصول کرنے سے پہلے' ان کو آگے کسی اور کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کمپنی کا قاعدہ یہ ہو کہ شیئرز کا سودا مکمل ہو جانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ اس نے شیئرز سرٹیفکیٹس ابھی وصول نہ کیے ہوں' تو یہ بیع جائز ہے۔ اس لیے

کہ حقوق اور ذمہ داریوں کا منتقل ہو جانا اگرچہ محسوس قبضہ نہیں ہے مگر حکماً یہ قبضہ متصور ہوتا ہے اس لیے شرعاً یہ بھی قبضہ شمار ہوتا ہے۔ لہٰذا خریدار نے جب آگے فروخت کیا تو یہ قبضہ لینے سے پہلے فروخت کرنا نہیں ہے، جو ممنوع ہے، بلکہ قبضہ لینے کے بعد فروخت کرنا ہے جو جائز ہے۔ لیکن اگر کمپنی کا قاعدہ یہ ہو کہ جب تک شیرز کے سرٹیفکیٹس خریدار نے وصول نہ کیے ہوں اس وقت تک وہ کمپنی کا حصہ دار نہیں بن سکتا اور حقوق اور ذمہ داریاں اس کی طرف منتقل نہیں ہو سکتیں، تو پھر یہ بیع قبل القبض ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ کمپنیوں اور اسٹاک ایکسچینج والوں کا قاعدہ قانون اس بارے میں کیا ہے؟ آپ چونکہ اس کاروبار کا تجربہ اور معلومات رکھتے ہیں اس لیے مذکورہ دو صورتوں میں سے جو صورت حال ہو اس کے مطابق اپنے کاروبار کا فیصلہ خود کرلیں۔ (گ - ر)

مضطر کے لیے سودی قرض

۱۔ ہمارے گھریلو حالات معاشی دباؤ کی وجہ سے درہم برہم ہو چکے ہیں۔ ہم قرضوں کے بوجھ تلے دب گئے ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ ہم ٹریکٹر حاصل کرلیں لیکن یہ سودی اسکیم کے بغیر ممکن نہیں۔ کیا اسلام میں اس کے لیے کوئی گنجایش ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ سود حرام ہے لیکن سفید پوش پر مفلسی آئے تو کتے کا گوشت بھی حلال ہو جاتا ہے۔ ہمارے بھی یہی حالات بن چکے ہیں۔

۲۔ گذشتہ ۶ سال سے بے روزگار ہوں۔ گھریلو حالات اتنے خراب ہیں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ دو وقت کی روٹی بھی بمشکل میسر ہے۔ کچھ کاروبار کا ارادہ کیا لیکن اس کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی۔ ہر جائز اور متوقع مقام سے کوشش کی لیکن مایوسی ملی، ایک دوست کے ذریعے بنک سے ملنے کی توقع ہے۔ جانتا ہوں کہ سود خدا اور رسولؐ سے کھلا اعلان جنگ ہے۔ کیا کروں نہیں لیتا تو حالات اتنے خراب ہیں کہ خودکشی کرنے کو جی چاہتا ہے۔

سود کی حرمت بڑی شدید ہے، اور آپ اس سے واقف ہیں۔ سود کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی۔ اس لیے اس سے اجتناب کی ہر ممکن کوشش آپ پر فرض ہے۔ اپنے اخراجات کم کریں، متبادل ذرائع آمدنی تلاش کریں، اور جو کچھ کر سکتے ہوں وہ کریں۔ تمام کوششوں کے باوجود فقر و فاقہ کا سامنا ہو، عزت پر بن رہی ہو، تو پھر کیا کریں؟

سود کا دینا اسی طرح حرام ہے جس طرح لینا، لیکن دینا اسی لیے حرام ہے کہ لینا حرام ہے۔ اگر آدمی اتنا ضرورت مند ہو کہ مضطر کی تعریف میں آتا ہو تو سور کا گوشت کھانے کی بھی اجازت ہے۔ اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اس لیے سود دینے کے سلسلے میں علماکرام کا مسلک یہ ہے کہ "سود کو ادا

کرنے کی حرمت بذات خود نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سود خواری کا ذریعہ ہے ۔ اس لیے بعض خاص حالات میں 'عذر کی بنیاد پر ' سود ادا کر کے قرض لینے کی اجازت دی جا سکتی ہے ۔ کون سا عذر معتبر ہے اور کون سا نہیں ' اور کون سی حاجت قابل لحاظ ہے اور کون سی حاجت قابل لحاظ نہیں ۔ اس سلسلے میں معتمد اصحاب افتا کے مشورے پر عمل کیا جائے ۔ (اسلامک فقہ اکیڈمی (تمام مکاتب فکر کا) دوسرا فقہی سیمی نار ' ۹ تا ۱۱ دسمبر ۱۹۸۵ ' دہلی)

مثلاً ' جان و مال کی حفاظت اور حکمران کو عدل پر آمادہ کرنے کے لیے رشوت دینے کی اجازت دی گئی ہے ۔ " الرشوۃ لخوف علی مالہ او نفسہ اویری امرہ عنہ عند سلطان او امیر (الاشباہ و النظائر للسیوطی) ۔ اسی طرح حاجت مندوں کے لیے سود دینے کی گنجایش دی گئی ہے ۔ یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ و النظائر لابن جنیم) اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ سود کے معاملے میں دین کے احکام کیا ہیں ' اگر آپ کے سامنے آخرت کا عذاب ہے ' اگر آپ کو یہ معلوم ہے کہ مفتی آپ کو کوئی بھی فتویٰ دے دے ' بالآخر آپ کو اللہ کے سامنے اپنا عذر پیش کرنا ہو گا ' تو پھر میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے دل سے فتویٰ پوچھیں ۔ فقر و فاقہ کو کفر کے برابر کہا گیا ہے ۔ اگر آپ کو ظن غالب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا عذر قبول کرے گا ' تو آپ اپنی معاشی مشکل سے نجات پانے کے لیے سود پر قرض لے سکتے ہیں ۔ لیکن اس کو مال حلال سمجھ کر استعمال نہ کریں ' بہ کراہیت یہ کام کریں ' صرف بقدر ضرورت لیں ' مسلسل نجات کی سعی کرتے رہیں ' اور اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کرتے رہیں ۔

مولانا عروج احمد قادری سابق مدیر زندگی ' لکھتے ہیں : مجبوری میں سود دینے کی رخصت ہے ' سود لینے کی رخصت کسی حالت میں نہیں ہے ۔ اگر مسلمان مجبور ہو جائے ' تو سودی قرض لے سکتا ہے ' لیکن مسلمان کو یہ فیصلہ آخرت کے عذاب کو سامنے رکھ کر کرنا چاہیے کہ وہ سودی قرض لینے کے لیے واقعی مجبور ہے یا نہیں " ۔ (عشر و زکوۃ اور سود کے چند مسائل ' ص ۱۲۵) ۔

مفتی نظام الدین صاحب ' صدر مفتی دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں : جب کہ بغیر قرض لیے کام نہ چلے ' اور غیر سودی قرض نہ ملے ' اور بغیر اس قرض کو لیے ناقابل تحمل و برداشت تکلیف کا سامنا ہو ' معیشت باقی نہ رہے یا کاروبار معطل ہو جائے ' تو بوجہ مجبوری اور بہ قدر مجبوری ' سودی قرض لینے کی گنجایش ہوگی جیسا کہ الاشباہ و النظائر کے اس جزئیہ (یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح) سے اور اس کی شرح حموی سے معلوم ہوتا ہے ۔ البتہ ایسا قرض جہاں تک ہو سکے جلد سے جلد ادا کر کے سبک دوش ہو جانا لازم رہے گا ۔ اسی طرح جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا بھی چاہیے ۔ (مجلہ فقہ اسلامی ' دہلی)

(خرم مراد)